© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

کوئی دعوتِ حق دنیا میں ثمرآور و نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی جب تک اس کے ساتھ ایک تدریجی اور مستقل پروگرام تربیت کا نہ ہو۔ اس چیز کے لیے یوں تو ہر دعوت و تحریک کی فطرت تقاضا کرتی ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ ایک دعوتِ حق کا تو یہ ایسا لازمی جزء ہے کہ اس کے بغیر دعوتِ حق کا کوئی تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ جیسا کہ پچھلی صحبتوں میں معلوم ہو چکا ہے، زندگی کے کسی ایک ہی گوشہ کو متاثر نہیں کرتی بلکہ اس کے تمام ظاہر و باطن کو ایک نیا جلوہ دیتی ہے، اور صرف کسی جزوی تبدیلی ہی کا مطالبہ لے کر نہیں اٹھتی، بلکہ ہماری ساری انفرادی و اجتماعی زندگی کے لیے ایک بالکل نیا سانچہ اور نئی اسکیم پیش کرتی ہے اس وجہ سے اس کا مزاج ہی یہ ہے کہ یہ جس تدریج و ترتیب کے ساتھ خود آگے بڑھتی ہے اسی ترتیب و تدریج کے ساتھ، اس کے بالکل متوازی، ایک تربیت کا پروگرام ہوتا ہے جو اہمیت میں کسی طرح بھی اصل دعوت سے کم نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ تربیت کی اہمیت اصل دعوت سے کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے تو شاید مبالغہ نہ ہو کیونکہ یہ تربیت ہی ہے جس کی وجہ سے کوئی دعوت دلوں میں جڑ پکڑتی، پھر نشوونما پاتی، پھر برگ و بار لاتی ہے یہاں تک کہ ایک دن اپنے فوائد و برکات سے زندگی کو مالا مال کر دیتی ہے۔

ایک داعیِ حق کے کام کی صحیح مثال ایک دہقان کے کام سے دی جا سکتی ہے۔ جس طرح اس کا مقصد صرف اتنی بات سے حاصل نہیں ہو سکتا کہ کچھ بیج کسی زمین میں ڈال کر فارغ ہو بیٹھے اسی طرح ایک داعیِ حق کا کام تنہا اس سے انجام نہیں پا سکتا کہ لوگوں کو کچھ وعظ سنا کر سو رہے بلکہ اس کے مقصد کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اندر اپنی پھیلائی ہوئی دعوت کے ساتھ وہی لگاؤ ہو جو ایک فرض شناس کسان کو اپنے بوئے ہوئے بیج کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس طرح وہ نگرانی کرتا ہے کہ بیج زمین میں جڑ پکڑے، اس کو صحیح وقت پر پانی ملے، موسم کی ناسازگاریوں سے محفوظ رہے، صحیح طور پر نشوونما پائے، بیگانہ سبزے اس کی ترقی میں مزاحم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ ہوں، فضا کے پرندوں اور زمین کے چرندوں کی تاخت سے وہ سلامت رہے، اور اس کے لیے برابر اپنے دن کے اطمینان اور رات کے سکون کو وہ درہم برہم رکھتا ہے، لگاتار محنت اور مسلسل نگہداشت کرتا ہے، تب جا کر کہیں اپنی محنت کا پھل پاتا ہے۔ اسی طرح ایک داعی حق کو بھی اسی صورت میں اپنی دعوت کو پھلتے پھولتے دیکھنا نصیب ہوتا ہے جب وہ دعوت کے ساتھ ساتھ تربیت کی جانکاہیوں کے ایک طویل سلسلہ کو جھیلنے کی قابلیت اور ہمت رکھتا ہو۔ ورنہ جس طرح ایک غافل کسان کے بوئے ہوئے بیج زمین اور موسم کی بے مہری اور چرند و پرند کی ترکتازیوں کی نذر ہو جاتے ہیں اسی طرح ایک داعی کی دعوت بھی صدا بصحرا ہو کے رہ جاتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے طریق دعوت و تربیت پر غور کرنے سے جماعتی تربیت کے لیے جو اصول مستنبط ہوتے ہیں ان میں سے بعض اہم چیزوں کو ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

(۱) جماعتی تربیت کا سب سے پہلا اور سب سے اہم اصول یہ ہے کہ داعی کو تعلیم و دعوت کے کام میں جلد بازی سے احتراز کرنا چاہیے۔ اس کو یہ برابر دیکھتے رہنا چاہیے کہ تعلیم کی جو خوراک اس نے دی ہے وہ اچھی طرح ہضم ہو کر لوگوں کے فکر و عمل کا جزو بن گئی یا نہیں؟ اس کا پورا پورا اندازہ کیے بغیر، اگر مزید غذا دی گئی تو اس کا نتیجہ صرف فساد معدہ اور سوء ہضم کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ جن لوگوں نے داعیان حق کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ اس بات سے ناواقف نہیں ہیں کہ ہر داعی حق سے اس طرح کی جلد بازی کے لیے دو طرفہ مطالبہ ہوتا ہے۔ جو لوگ دعوت کو قبول کر چکے ہوتے ہیں وہ حق کی لذت سے ابھی نئے نئے آشنا ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ نئی نئی آشنائی ان میں حق کی ایسی بھوک پیدا کر دیتی ہے کہ تدریج و ترتیب کا پروگرام ان پر بہت شاق گذرتا ہے۔ وہ تندیِ شوق بلکہ حرص حق میں اس طرح مبتلا ہو جاتے ہیں کہ نہ تو اپنی بھوک اور قوت ہضم کا صحیح اندازہ کر پاتے نہ جماعت کے دوسرے کمزوروں کی کمزوری کے ساتھ انھیں کچھ ایسی ہمدردی ہوتی۔ وہ اپنے آپ کو بھی اپنی اصل حیثیت سے زیادہ تولتے ہیں اور اپنے کمزور ساتھیوں کو بھی اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں۔ اس کے سبب سے ان کی طرف سے برابر ہل من مزید کا مطالبہ رہتا ہے۔ ان کے ماسوا دوسرے لوگ، جو ابھی دعوت کے مخالف ہوتے ہیں، وہ دعوت کے کمزور پہلوؤں کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ وہ اگر اس کے پیش کردہ پروگرام میں حرف گیری کی کوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گنجائش نہیں پاتے تو یہی مطالبہ شروع کر دیتے ہیں کہ اپنا پورا پروگرام پیش کرو۔ ان کا مقصد محض یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی چیز فوراً سامنے نہ آئی تو وہ لوگوں پر یہ ظاہر کرسکیں گے کہ یہ محض ایک بے مقصد اور مجہول دعوت ہے اس کے آگے نہ کوئی متعین منزل مقصود ہے نہ اس منزل مقصود تک پہنچنے کا کوئی واضح اور مضبوط پروگرام ہے اور اگر کوئی اسکیم پیش کی گئی تو اس میں کوئی نہ کوئی رخنہ ڈھونڈھ کر لوگوں کو دکھا سکیں گے۔ اور اگر کوئی رخنہ تلاش کے باوجود بھی نہ مل سکا تو اس کو پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔

ایک سچے داعی حق کے اندر تبلیغ حق کی ایک خواہش خود ہی دبی ہوئی ہوتی ہے جو اتنی قوی ہوتی ہے کہ اللہ کی بخشی ہوئی حکمت اگر اس کی نگرانی نہ کرے تو صبر و انتظار اور تدریج و ترتیب کے حدود و قیود کی وہ کبھی پابند نہ رہ سکے۔ اس خواہش کو یہ دو طرفہ مطالبہ جب مشتعل کر دیتا ہے تو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ داعی میانہ روی کی اس روش سے ہٹ جاتا ہے جو اس کے مقصد کی حقیقی کامیابی اور جماعت کی صحیح تربیت کے لیے ضروری ہے۔ ہر چند حق کی صحیح قدر شناسی کا تقاضا یہی ہے کہ اس کے لیے آدمی میں دیووں کی سی بھوک ہو جو اسے مضطرب بھی رکھے، بے صبر بھی بنا دے اور جلد بازی پر بھی مجبور کر دے لیکن حق کی قدر شناسی اور محبت کے مطالبہ سے جماعت کی تربیت کا مطالبہ کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ اس وجہ سے ایک داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان دونوں کے درمیان صحیح صحیح توازن قائم رکھے۔ اگر پہلی چیز کا تقاضا اس کو جلد بازی کے لیے بے چین کرے تو چاہیے کہ دوسری چیز کا مطالبہ اس کو انتظار پر مجبور کرے۔ اگر اعلان حق کا شوق اور حمایت حق کا جذبہ اس کو اکسائے کہ وہ نہ اہل شوق کے شوق کو تشنہ چھوڑے نہ معاندین پر اتمام حجت میں کوئی کسر باقی رہنے دے تو چاہیے کہ تربیت کے اہتمام کے لیے وہ اس پر بھی نظر رکھے کہ کہیں شراب قدح خوار کے ظرف سے زیادہ نہ ہونے پائے۔

جب کبھی ایسا ہوا ہے کہ پہلا جذبہ اس قدر غالب آگیا ہے کہ دوسرے پہلو کی پوری رعایت نہیں ہو سکی ہے تو جماعتی تربیت میں ایسا نقص رہ گیا ہے کہ بعد میں اس کی تلافی نہیں ہو سکی ہے۔ اسی رخنہ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیطان نے جماعت کے اندر گھس کر انڈے بچے دیدیے اور پھر اس کے پھیلائے ہوئے فتنوں کی لپیٹ میں پوری جماعت آگئی۔ اس کی سب سے زیادہ عبرت انگیز مثال ہم کو بنی اسرائیل کی تاریخ میں ملتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے نکل کر سینا میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو احکام شریعت سے آگاہ کرنے کے لیے طور پر بلایا اور اس کے لیے ایک خاص دن معین فرمادیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس معین دن سے پہلے ہی طور پر پہنچ گئے۔ ان کے اندر اللہ کے احکام معلوم کرنے اور اس کی رضا طلبی کا جو جوش و جذبہ تھا اولاً تو وہ خود ہی اتنا قوی تھا کہ باریابی کا اشارہ پانے کے بعد وقت اور تاریخ کی پابندیاں اس پر شاق تھیں۔ ثانیاً قوم کی طرف سے ہر قدم پر جو مطالبے پر مطالبے ہو رہے تھے اس سے بھی اس جذبہ کو تحریک ہوئی ہوگی۔ اگرچہ یہ جذبہ نہایت اعلیٰ اور محمود جذبہ تھا، اور طور پر معین وقت سے پہلے پہنچ جانا اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ اللہ کے احکام معلوم کرنے کے لیے نہایت بے چین اور مضطرب دل رکھتے ہیں لیکن اس معاملہ کا ایک دوسرا قابل اعتراض پہلو بھی تھا، جس کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظر نہیں گئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فوراً بلانے کے بجائے ان کے لیے ایک خاص وقت مقرر کیا تو اس سے منشائے الٰہی یہ تھا کہ یہ وقفہ وہ قوم کی تربیت میں صرف کریں، اور جن اصولی باتوں کی ان کو تعلیم دی جاچکی ہے اس کو اچھی طرح ان کے اندر پختہ کریں تاکہ آزمائشوں اور فتنوں میں پڑنے کے بعد بھی وہ اپنے ایمان و اسلام کو سلامت رکھ سکے۔ لیکن اللہ کے مزید احکام معلوم کرنے کا شوق ان پر اس قدر غالب آگیا کہ تربیت کی اہمیت کا احساس اس کے مقابل میں دب گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دین کے دشمنوں نے ان کی اس غیر حاضری اور قوم کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور قوم کے ایک بڑے حصہ کو گوسالہ پرستی میں مبتلا کر دیا اور اس کی ساری ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عجلت پسندی پر ڈالی، جو ہر چند تعلیم و دعوت کی راہ میں تھی لیکن تربیت کی ذمہ داریوں سے غافل کرنے والی ثابت ہوئی۔ چنانچہ قرآن مجید نے ان کی اس عجلت اور اس کے انجام کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

وَمَا اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى
قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ

اور تم قوم کو چھوڑ کر، اے موسیٰ، وقت مقررہ سے پہلے، کیوں چلے آئے؟ انھوں نے کہا وہ میرے پیچھے ہیں اور میں تیرے پاس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رَبِّ لِتَرْضٰى. قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ (۸۴ - ۸۵ طٰہٰ)

اے پروردگار اس لیے جلدی چلا آیا کہ تیری خوشنودی حاصل کروں۔ فرمایا تو جاؤ ہم نے تمھاری قوم کو تمھارے چلے آنے کے بعد فتنہ میں ڈال دیا اور سامری نے ان کو گمراہ کر ڈالا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک داعی کا جس طرح یہ فرض ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کے احکام و قوانین سے آگاہ کرے اسی طرح اس کا یہ بھی فرض ہے کہ پورے اہتمام کے ساتھ لوگوں کی تربیت بھی کرے تاکہ اس کی تعلیم لوگوں کے فکر و عمل کے اندر اس طرح راسخ ہو جائے کہ سخت سے سخت آزمائش میں بھی اُن پر اس کی گرفت قائم رہ سکے۔ جو داعی صرف تعلیم کے پہلو پر نظر رکھتا ہے اور اس چیز کا شوق اس پر اس قدر غالب ہو جاتا ہے کہ تربیت کے لیے جو صبر و انتظار مطلوب ہے اس کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اس کی مثال اس جلدباز فاتح کی ہے جو اپنے اقتدار کے استحکام کی فکر کیے بغیر مارچ کرتا ہوا بڑھا چلا جا رہا ہے۔ اس طرح کی جلدبازی کا نتیجہ صرف یہی ہو سکتا ہے کہ ایک طرف وہ فتح کرتا ہوا آگے بڑھے گا دوسری طرف اس کے مفتوحہ علاقہ میں جنگل کی آگ کی طرح بغاوت پھیلے گی۔

سورہ طٰہٰ میں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی اس سبق آموز مثال کو پیش کر کے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عجلت پر گرفت فرمائی ہے جو آپ کے اندر احکام الٰہی معلوم کرنے کے لیے تھی۔ آنحضرت بھی اپنے فطری شوق علم اور قوم کی جلدبازی کی وجہ سے چاہتے تھے کہ وحی الٰہی جلد جلد نازل ہو تاکہ آپ اپنے شوق علم کو بھی تسلی دے سکیں اور قوم کے مطالبہ کو بھی پورا کر سکیں۔ چنانچہ اسی شوق کی وجہ سے جب وحی الٰہی اترتی تو آپ ایک پرشوق طالب علم کی طرح اس کے سیکھنے میں جلدبازی فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس بات پر متعدد جگہ آپ کو ٹوکا کہ وحی الٰہی کی تکمیل کے لیے جو مدت مقرر ہے اس سے پہلے پورے قرآن کے اتار دیے جانے کے لیے جلدی نہ مچاؤ۔ یہ وقفہ اور انتظار تمھارے دل کو مضبوط کرنے اور تمھاری قوم کی تربیت کے لیے ہے تاکہ جو کچھ تمھیں سکھایا جا رہا ہے اس کو تم بھی برداشت کر سکو اور تمھاری قوم بھی اس میں اچھی طرح پختہ ہو جائے۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ

اور قرآن کے لیے، اس سے پہلے کہ اس کی وحی تم پر کیجائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا
وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ
وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا (۱۱۴-۱۱۵ - طٰہٰ)

جلدی نہ مچاؤ۔ (البتہ) یہ دعا کرتے رہو کہ اے میرے پروردگار میرے علم کو زیادہ کر۔ اس سے پہلے ہم نے آدم پر ایک ذمہ داری ڈالی تھی تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں ارادہ کی پختگی نہیں پائی

اس آیت کے آخر میں جلدبازی سے بچنے اور تربیت کی اہمیت بھی واضح فرمائی کہ انسان میں یہ فطری کمزوری ہے کہ رغبات اور خواہشوں کے مقابل میں اس کا ارادہ کمزور پڑ جایا کرتا ہے اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس پر جو ذمہ داری ڈالی جائے اس کا پورا شعور پیدا کرنے کے لیے اس کی اچھی طرح تربیت بھی کی جائے تاکہ وہ آزمائشوں کے مقابل میں اپنے آپ کو ثابت قدم رکھ سکے

اسی تربیت کے تقاضے سے قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کرکے اترتا تھا۔ جلدباز مخالفین اعتراض کرتے کہ اگر یہ اللہ کی کتاب ہے تو یہ جستہ جستہ کیوں اتر رہی ہے۔ خدا کا علم تو حاضر و مستقبل سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس کو تو نہ سوچنے کی ضرورت ہے، نہ تجربہ کرنے کی اور نہ کسی مصلحت پر نظر رکھنے کی۔ پھر وہ پوری کتاب ایک ہی دفعہ کیوں نہیں اتار دیتا؟ یہ تو صاف اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اپنی تصنیف ہے۔ غور و فکر اور محنت و تجربے کے بعد جتنی کچھ تیار کر پاتے ہیں اس کو پیش کرتے ہیں! - قدرتی طور پر اس اعتراض کا اثر بہت سے مسلمانوں پر بھی ہوا اور یہ بات خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر بھی گراں گذری لیکن اللہ تعالیٰ نے نہ تو مخالفین کی جلدبازی ہی کی حوصلہ افزائی فرمائی اور نہ اس خلش ہی کو کچھ اہمیت دی جو نکتہ چینیوں کے اس اعتراض اور فطری شوق علم کی وجہ سے آنحضرت صلعم اور آپ کے ساتھیوں کے دل میں پیدا ہوتی تھی بلکہ فرمایا کہ تمھاری اور تمھارے ساتھیوں کی تربیت کا تقاضا یہی ہے کہ سارے احکام تھوڑے تھوڑے کرکے ایک تدریج کے ساتھ اتریں تاکہ تمھارا دل بھی ان کے تحمل کے لیے پوری طرح مضبوط ہو جائے اور جماعت کے قوی اور ضعیف بھی ان کو اچھی طرح اپنا لیں۔ اگر جلدبازی کروگے تو تمھاری امت میں کمزوری رہ جائے گی اور جس طرح سامری نے بنی اسرائیل کو گمراہی میں ڈال دیا اسی طرح کوئی سامری تمھاری امت میں بھی پیدا ہو کر اس کو گمراہی میں مبتلا کر دے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو تدریج قرآن کے نزول میں ہم پاتے ہیں بعینہٖ وہی تدریج صحابہ اور بعد کے لوگوں نے اس کے سیکھنے اور سکھانے میں بھی ملحوظ رکھی اور اس کی مصلحت بھی بعینہٖ وہی تھی کہ جو لوگ اس کو سیکھیں اس طرح سیکھیں کہ یہ ان کے ذہن و دماغ کے اندر بھی پیوست ہو جائے اور ان کی عملی زندگی بھی بالکل اس کے رنگ میں رنگ جائے اور یہ بات صرف اسی صورت میں ممکن تھی کہ اس کی تعلیم ایک تدریج کے ساتھ آہستہ آہستہ لوگوں کو دی جائے اور ساتھ ہی ساتھ اس علم کے مطابق ان کی تربیت بھی کی جائے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ قال کان الرجل منا اذا تعلم عشر آیات لم یجاوزھن حتی یعلم معانیھن والعمل بھن (ہم میں جو شخص دس آیتیں بھی سیکھ لیتا تو جب تک ان کے علم و عمل میں اچھی طرح پختہ نہ ہو جاتا آگے نہ بڑھتا)

۲۔ جماعتی تربیت کی دوسری اصل یہ ہے کہ داعی کمیت سے زیادہ کیفیت پر نظر رکھے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ داعی پر "کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش" کا شوق اس قدر غالب ہو جاتا ہے کہ وہ "گلہ کی بھیڑوں" سے غافل ہو جاتا ہے اور اس غفلت کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ تو کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں میدانوں اور جنگلوں کی خاک چھانتا پھر رہا ہوتا ہے اور ادھر گلہ کی بھیڑیں یا تو بھوکوں مرنے لگتی ہیں یا کوئی بھیڑیا باڑے کے اندر گھس کر ان کو چیر پھاڑ ڈالتا ہے۔ جہاں تک داعیان حق کا تعلق ہے اپنوں سے یہ بے پروائی اور بیگانوں کو اپنانے کی یہ خواہش ان کے اندر نہایت نیک جذبہ سے پیدا ہوتی ہے۔ ان پر دعوت کا جوش اس قدر غالب ہو جاتا ہے کہ تربیت کے فرض کا احساس اس کے مقابل میں یا تو دب جاتا ہے یا کم از کم موخر ہو جاتا ہے۔ وہ اس بات کو زیادہ اہمیت دینے لگ جاتے ہیں کہ جو اللہ کے باغی اور نافرمان ہیں وہ پہلے اللہ کا نام لینے والے بن جائیں، رہی ان کی تربیت و اصلاح تو یہ چیز ہوتی رہے گی۔ بظاہر تو یہ ایک نیک خیال ہے لیکن اگر اس کی تہ میں اتر کر غور کیا جائے تو یہی اصل ہے کیفیت کے مقابل میں کمیت کو ترجیح دینے کی اور پھر آگے چل کر اسی سے یہ غلط نقطۂ نظر پیدا ہو جاتا ہے کہ لوگ دلوں کی جگہ سروں کی تعداد گن کر پوری طرح مطمئن ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید نے اس غلطی سے بچانے کے لیے داعیان حق کو یہ تعلیم دی ہے کہ جو لوگ دعوت سے بیگانہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں ان کو پکارنے اور اپنانے کی خواہش اتنی غالب نہ ہو جانی چاہیے کہ اس انہماک میں ان غریبوں کا حق مارا جائے جو بیچارے دعوت قبول کر کے تربیت و تزکیہ کے لیے منتظر بھی ہیں اور محتاج بھی۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ (۸۸ - الحجر)

اور ان کی (کفار کی) بعض جماعتوں کو ہم نے جو مال و متاع کی فراوانی دے رکھی ہے اس کی طرف نظر نہ اٹھاؤ اور نہ ان کے انکار پر غم کھاؤ بلکہ مومنین کو اپنے سایۂ عاطفت میں لو۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (۲۸ - الکہف)

اور تم اپنے دل کو ان لوگوں کے ساتھ جماؤ جو صبح و شام اپنے رب کی رضا طلبی میں سرگرم رہتے ہیں۔ ان سے غافل ہو کر تمہاری نگاہیں دنیاوی زندگی کی زینتوں کی طرف نہ اٹھیں۔

عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ أَن جَاءَهُ الْأَعْمَىٰ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّىٰ أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنفَعَهُ الذِّكْرَىٰ وَأَمَّا مَنِ اسْتَغْنَىٰ فَأَنتَ لَهُ تَصَدَّىٰ (عبس)

اس نے تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا اس سبب کہ اس کے پاس نابینا آیا، اور تمہیں کیا خبر کہ شاید وہ پاکی حاصل کرے یا نصیحت پکڑے اور نصیحت اس کو نفع پہنچائے۔ رہا جو منہ پھیرتا ہے تو تم اس کے پیچھے پڑتے ہو۔

ان تمام آیتوں میں داعی کو اس بات کی ہدایت کی گئی ہے کہ جو لوگ دعوت قبول کر چکے ہیں اگرچہ وہ بظاہر تعداد کے لحاظ سے کم اور حیثیت کے لحاظ سے معمولی ہوں لیکن ان کی تربیت میں جو وقت صرف ہونا چاہیے وہ ان لوگوں کے پیچھے نہیں برباد ہونا چاہیے جو اگرچہ شان و عظمت رکھتے ہیں اور ان کی شان و عظمت سے دعوت کو فائدہ پہنچنے کی بھی توقع ہو سکتی ہے لیکن وہ گھمنڈ کے نشہ میں سرشار اور دعوت سے بیزار ہیں۔

۳۔ جماعتی تربیت کا تیسرا اصول یہ ہے کہ جماعت جن اصولوں پر مبنی ہے جماعت کے کسی گوشہ میں ان سے انحراف یا بغاوت کی بیماری نہ پھیلنے پائے۔ اگر اس قسم کا کوئی فتنہ سر اٹھاتا نظر آئے تو جماعت کے رہنماؤں اور ارباب کار کا فرض ہے کہ اس کے پھیلنے سے پہلے اس کے قلع قمع کی فکر کریں اور اس زخم کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ادائگی میں نہ مصلحت بینی مانع ہو، نہ رواداری، نہ کسی کا خوف اور نہ کسی کی محبت۔ اس امر میں معمولی غفلت کا نتیجہ وہی ہوتا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں ظاہر ہوا کہ قوم کا ایک بڑا حصہ خدا پرستی کی جگہ گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گیا۔ اس قسم کے فتنوں کے مقابل میں جماعت کے لیڈروں کو نہ صرف قوی دل ہونا چاہیے بلکہ کچھ مضائقہ نہیں اگر وہ سخت دل بھی ہوں تاکہ بالکل بے مروت ہو کر ان کو جڑ پیڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم کے اندر اپنی غیر موجودگی میں جب شرک کے فتنہ کے پھوٹ پڑنے کی اطلاع ہوئی تو سب سے پہلے طور سے واپس آکر انھوں نے ان لوگوں کو نہایت سختی سے ڈانٹا جو ان کی غیر موجودگی میں قوم کی نگرانی کے ذمہ دار تھے اور جن کی مروت یا رواداری کی وجہ سے اس خرابی کو پھیلنے کا موقع ملا۔ پھر انھوں نے اصلی مجرموں کو خود ان کے قبیلہ کے لوگوں کے ہاتھوں قتل کرا دیا تاکہ ہر شخص پر یہ اچھی طرح واضح ہو جائے کہ جو لوگ جماعت کے اندر اس قسم کے فتنے پھیلائیں گے وہ ان لوگوں کی طرف سے بھی کسی رحم یا رواداری کی توقع نہیں کر سکتے جن کے ساتھ وہ خون اور نسب کے قریبی رشتے رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس بت کو بھی ریزہ ریزہ کر کے ناپید کر دیا جو سامری نے بنایا تھا تاکہ اس فتنہ کا کوئی ادنیٰ نشان بھی قوم میں باقی نہ رہے اور ساتھ ہی خود سامری کو ایسی عبرت انگیز سزا دی جو اس کے ساتھ زندگی بھر کے لیے چمٹ گئی۔

جماعت کو اس قسم کی خرابیوں سے پاک رکھنے کے لیے اسلام نے یہ قانون بنا دیا ہے کہ جب جماعت کے بعض افراد میں جماعتی اصولوں سے کوئی انحراف پایا جائے تو پوری جماعت کا فرض ہے کہ اس کی روک تھام اور اصلاح کے لیے کوشش کرے۔ اگر جماعت ایسا نہ کرے، بلکہ افراد کو چھوڑ دے کہ جو ان کے جی میں آئے کرتے رہیں تو ان کے جرم کا وبال صرف ان ہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ جماعت کے فاسق اور متقی سب اس میں حصہ پاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کی حقیقت کشتی کی مثال دے کر سمجھائی ہے کہ اگر ایک کشتی کے مسافر اس شخص کا ہاتھ نہ پکڑیں جو کشتی کے پیندے میں سوراخ کر رہا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کشتی ڈوبے گی اور ایک شخص کی شرارت کی سزا سب کو بھگتنی پڑے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح اگر ایک جماعت اپنے اندر کے شریروں سے رواداری برتتی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ یہ شریر جو آفت ڈھائیں اس میں بلا استثنار پوری جماعت مبتلا ہو۔ قرآن مجید نے اس خطرہ سے ان الفاظ میں آگاہ فرمایا ہے:

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۤصَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (۲۵ - الانفال)

اور اس آفت سے بچو جو خاص کر انہی لوگوں پر نہیں آئے گی جنھوں نے تمہارے اندر سے ظلم کیا ہوگا (بلکہ دوسرے بھی اس کی لپیٹ میں آئیں گے) یاد رکھو اللہ سخت پاداش والا ہے۔

اس فرض کو ادا کرنے کے لیے جماعت کے مختلف مدارج کے لحاظ سے طریق کار مختلف ہوگا لیکن نفس فرض سے جماعت کسی حال میں بھی بری الذمہ نہیں ہوتی۔

ابتدائی مرحلہ میں، جب جماعت کو کوئی سیاسی طاقت حاصل نہیں ہوتی، صرف جماعت کا مزاج ان لوگوں کو اپنے اندر سے چھانٹ کر الگ کرتا رہتا ہے جو اس کے اصولوں سے انحراف کرتے ہیں۔ وہ اولاً تو ان لوگوں کو اپنے اندر جگہ ہی نہیں دیتی جو اس کے رنگ میں اچھی طرح رنگے ہوئے نہ ہوں اور اگر کسی طرح اس قسم کے خام لوگ اس کے اندر گھس بھی جاتے ہیں تو جس طرح ایک سلیم المذاق آدمی کے معدہ کے اندر مکھی قرار نہیں پکڑتی اسی طرح اس قسم کے لوگ اس نظام کے اندر نہیں ٹکتے۔ اگر اس مرحلہ میں کسی جماعت کا یہ حال ہو کر اس کے اصولوں سے انحراف کرنے والے اس کے اندر آسانی سے پرورش پا سکتے ہوں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس جماعت کا کوئی مزاج ہی نہیں بنا ہے اور وہ بہت جلد منتشر ہو کے رہے گی۔

دوسرے مرحلہ میں، یعنی جب جماعت کو سیاسی طاقت حاصل ہو جاتی ہے، جماعت کا سیاسی ادارہ اس بات کی نگرانی کرتا ہے کہ اس کے اندر فاسد عناصر پیدا ہونے یا گھسنے نہ پائیں اور وہ اس کی روک تھام کے لیے عام تبلیغی و تعلیمی وسائل کے ساتھ اگر ضرورت سمجھتا ہے تو طاقت کو بھی استعمال کرتا ہے۔ یہ سیاسی ادارہ اگر پوری فرض شناسی کے ساتھ اپنی ذمہ داری ادا کرتا رہے تو پوری جماعت مسئولیت سے بری رہتی ہے لیکن اگر خدانخواستہ یہ بگڑ جائے تو پوری جماعت کا فرض ہوتا ہے کہ اس کی اصلاح کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا علم لیکر اٹھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جب تک اس کی اصلاح نہ کرے چین کی نیند نہ سوئے۔ اس دعوتِ اصلاح کی حد قرآن مجید نے یہ متعین کی ہے کہ داعیانِ اصلاح صرف صدائے اصلاح پر قانع نہ ہو جائیں بلکہ مجرمین کے طرزِ عمل سے اظہارِ بیزاری کرکے ان کے جرائم سے اپنے آپ کو عملاً علیحدہ بھی کرلیں۔

۴۔ جماعتی تربیت کا چوتھا اصول یہ ہے کہ ابتدائے دعوت میں جہاں تک ممکن ہو لوگوں کو تعلیم و دعوت کے اصل مرکز سے وابستہ رہنے کی تاکید بھی کی جائے اور اس کا سامان بھی بہم پہنچایا جائے۔ جس دور میں جماعت کا مزاج بن رہا ہو اس دور میں مناسب ماحول اور اصل مرکز سے براہِ راست استفادہ صحیح تربیت کے لیے سب سے زیادہ ضروری چیزیں ہیں۔ اس دور میں اگر ان دونوں چیزوں سے غفلت کی جائے تو جماعت کے اندر ایسے لوگ بہت کم پیدا ہوتے ہیں جو عقلی اور اخلاقی اعتبار سے اتنے مضبوط ہوں کہ اپنے آپ کو بھی دعوت کے اصلی رنگ میں رنگ لیں اور دوسروں کو بھی اس رنگ میں رنگ سکیں۔ بلکہ اس کے برعکس بیشتر ایسے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جن پر دعوت کا رنگ اتنا ہلکا ہوتا ہے کہ زمانۂ آزمائش کی ایک ہی بھٹی سے گذرنے کے بعد اڑ جاتا ہے۔ اس طرح کے لوگ نہ فہم کے اعتبار سے اتنے پختہ ہوتے کہ دوسروں کے اندر دعوت کا صحیح شعور پیدا کرسکیں نہ سیرت کے لحاظ سے اتنے مضبوط ہوتے کہ ہر طرح کے موافق و ناموافق حالات کے اندر اس دعوت کو جاری رکھ سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب تک کوئی موثر شخصیت موجود ہوتی ہے لوگوں کے اندر اس دعوت کا چرچا موجود ہوتا ہے لیکن جوں ہی وہ سامنے سے ہٹی سارا ہنگامہ سرد پڑ گیا۔ اسلام میں ہجرت کا جو حکم دیا گیا اس کے اندر جہاں اور بہت سی حکمتیں ہیں ایک بہت بڑی حکمت یہ بھی تھی کہ تمام مسلمان براہِ راست حضور نبی کریم صلعم کے فیضِ صحبت سے فائدہ اٹھا سکیں اور ایک سازگار ماحول میں رہ کر اسلام کا رنگ ان پر اچھی طرح چھا جائے۔ جہاں یہ بات ممکن نہ ہو کہ ہر شخص اصل مرکزِ تعلیم و دعوت سے براہِ راست فائدہ اٹھا سکے وہاں اسلامی دعوت کا کم سے کم مطالبہ یہ ہے کہ ہر گروہ کے ذہین اور صالح اشخاص کی ٹولیاں مرکز کی تعلیم و دعوت سے استفادہ کے لیے نکلیں اور دین کا فہم حاصل کرنے کے بعد جب اپنی قوم میں لوٹیں تو ان کو دین سے باخبر کریں۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (توبہ - ۱۲۲)

اور سارے مسلمانوں کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ تعلیم کے لیے نکلتے تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک ٹولی نکلتی تاکہ وہ دین کی بصیرت حاصل کرتی اور جب لوٹتی تو وہ اپنی قوم کو آگاہ کرتی تاکہ وہ بھی خدا ترسی کی راہ اختیار کرتے۔

(باقی صفحہ ۶۴ پر)

© rasailojaraid.com